عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

رجب ۱۴۲۵ھ/اگست ۲۰۰۵ء

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

حب الدنیا رأس کل خطیئۃ ﴿دُنیا کی محبت ہر بُرائی کی جڑ ہے﴾

دُنیا کسے کہتے ہیں؟ دُنیا کے بارے میں لوگوں کو عموماً غلط فہمی ہوتی ہے۔ عام لوگ اور واعظین قرآن وحدیث پر گہری نظر نہ رکھنے کی وجہ سے اشیاءِ دُنیا کے استعمال کو دُنیا کہتے ہیں۔ حالانکہ دُنیا سے مُراد وہ زندگی ہے جو موت سے پہلے ہے۔ دنیا کی زندگی میں ان چیزوں کی محبت جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے اور انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال کر مال اور دیگر اشیاء کے کمانے میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور حدود کی پرواہ نہ رہے اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا رہے تو یہ دُنیا ہے اور یہ مبغوض ہے۔

اگر انسان اس دنیا میں ایسی زندگی کا گزارنے والا ہو کہ ہر چیز کے استعمال سے پہلے حکمِ ربّ کو دیکھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو اور چیزوں کی محبت مغلوب ہو تو دُنیا حسنہ بن جاتی ہے۔ اور اگر انسان اشیاءِ دینوی کو مقصود بالذات قرار دے اور ان کے حصول میں حرام وحلال اور جائز وناجائز کی پرواہ نہ کرے تو یہ حُبِّ دُنیا ہے اور اس سے پھر ہر قسم کی بُرائی وجود میں آتی ہے۔ حُبِّ حق ذکرِ حق اور علمِ حق حُبِّ دُنیا اور اللہ کی محبت میں لکیر کھینچتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوگئی تو غیر اللہ کی محبت مغلوب ہو جائے گی۔ اگر اللہ کی رضا کے ساتھ کوئی چیز مل گئی تو فبھا ورنہ اگر نہ ملی تو کوئی پرواہ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر موجود ہو اور ڈھیروں مال ہو تو پرواہ نہیں۔ صحابہ کرام کے متعلق قرآن میں آتا ہے۔

﴿رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله﴾۔

اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں جن کو خرید وفروخت اور تجارت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی ہے۔

دل بہ یار اور دست بہ کار والی حالت ہوتی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو ذکرِ حق پر ہیں۔ قرآن میں آتا ہے ''تمہاری مال واولاد تم کو اللہ سے غافل نہ کردے۔'' علمِ حق آئے گا تو تم کو بتادے گا کہ کونسی دُنیا اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے اور کونسی ناپسندیدہ ہے۔ علم حائل ہو جائے گا بُری چیزوں کے اختیار کرنے میں اور انسان کے درمیان۔ حدیث کا مفہوم ہے۔ کہ دُنیا اور دُنیا میں جو کچھ ہے وہ ملعون ہے ﴿الا ذکر اللہ﴾ سوائے اللہ کے

ذکر کرے۔

اہل علم اور اہل ذکر کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی اور اللہ کی محبت اور اللہ کی یاد دُنیا کو مبغوض بنا دیتی ہے۔ دُنیا اس وقت مبغوض بنے گی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں ہوگا۔کسب دُنیا حدود کے اندر مباح اور جائز ہے۔ دُنیا کی محبت دل میں ہو یہ ٹھیک نہیں ورنہ اگر دل میں دُنیا کی محبت نہ ہو اور پاس سلیمان علیہ السلام کی طرح سلطنت اور خزائن ہوں تو نقصان کی بات نہیں۔ دُنیا کی مثال آگ کے انگارے کی طرح ہے حُبِّ الٰہی اور تقویٰ کا چمٹا ہاتھ میں ہو تو پھر نقصان نہیں دے گی۔

مولانا رومؒ نے دُنیا کی مثال یوں دی ہے کہ

آب زیر کشتی پشتی کشتی است

آب اندر کشتی ہلاک کشتی است

ترجمہ:اگر پانی کشتی کی اندر آتا ہے تو کشتی کو ڈبو دیتا ہے لیکن پانی جب کشتی کے نیچے ہو تو کشتی کیلئے پشتی ہے اور کشتی اس پر تیر کر منزل مقصود تک پہنچتی ہے۔

بنی آدم کی روحانی ترقیات دُنیا کے ساتھ وابستہ ہیں اگر دُنیا نہ ہوتی تو ہم فرشتے ہوتے جن کو روحانی طور پر نہ ترقی ہوتی ہے اور نہ تنزل ہوتا ہے۔ دُنیا کی مرغوبات اور نفس کی لذتوں کی موجودگی میں اللہ کے حکم کو دیکھ کر چلنے سے انسان کی روحانی ترقیات ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿زين للناس حب الشهوات من النساء﴾۔

ترجمہ: متاعِ حیاتِ دُنیا اور اس کی زینتوں کی کشش لوگوں کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے۔

دُنیا کی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے زیبائش اور کشش رکھ دی ہے اور حکم دیا کہ یوں استعمال کرو تو جائز ہے اور اگر یوں استعمال کرو گے تو نا جائز ہے۔ یہ چیزیں انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہیں بس کامیاب وہ ہے جو حکمِ خداوندی کو دیکھ کر چیزوں کا استعمال کرنے والا ہو، ہر چیز کے استعمال سے پہلے اللہ کے حکم کو دیکھے۔ اگر چیز کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو بھول جائے اور چیز میں ہی اُلجھ جائے تو یہ دُنیا ہے۔ اور اگر اللہ کے حکم کو دیکھ کر دُنیا میں

مشغول ہوتو یہ نرا دین ہے۔مومن کی شادی بیاہ ،تجارت خرید وفروخت سب دین بن جاتا ہے، اگر وہ حکمِ خداوندی کے ماتحت ہو۔

اسلام کا نظریہ تو یہ ہے۔جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے مانگا ہے۔

﴿ربنا هب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما﴾۔

کہ بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک بھی مانگی جارہی ہے اور ساتھ دُنیا میں متقین کی امامت بھی مانگ رہے ہیں۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

چیست دُنیا از خدا غافل بودن

نے قماش ونقرہ و فرزند وزن

ترجمہ: کہ دُنیا کیا ہے؟......اللہ سے غافل ہوجانا ...... دُنیا کی اصل اللہ تعالیٰ سے غافل ہوجانا ہے، زر وجواہر اور بیوی بچے دُنیا نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہوتے تھے لیکن جب نماز کا وقت آجاتا تو فوراً نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے۔ازواج مطہرات فرماتی ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم سے کوئی تعلق ہی نہیں۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بنا کر نہیں بھیجا بلکہ انسان بنا کر بھیجا ہے۔رہبانیت اسلام کی تعلیم نہیں لیکن استعمالِ دُنیا اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت کے مطابق ہونا چاہئے۔یہ نہیں کہ تنخواہ تو 100 روپیہ ہے اور اوپر کی آمدنی 500 روپیہ۔ناجائز کو چھوڑ دینا ہے اور جائز کو اختیار کرنا ہے، خواہش نفس کی چیزیں موجود ہیں ان کو چھوڑ دینا ہے۔دُنیا کی محبت حرام ہے اور استعمال مباح جائز اور مامور بہ ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غفلت نہیں تو سلیمان علیہ السلام کی طرح بادشاہی بھی کوئی نقصان کی چیز نہیں۔اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ کروگیتو ایسی بادشاہی مزید اللہ تعالیٰ سے دلوانے والی ہے۔ پس دُنیا کی محبت کو دل میں نہ بساؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں بساؤ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلوبِ قرآنی

(Pattren of the Holy Quran)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

قرآن مجید ایک کتاب ہے جس کا خطاب سارے عالم انسانیت کو ہے۔ ہم مسلمان اس کے خاص مخاطب ہیں، ہمارا یہ یقین ہے کہ ہمارے دنیا اور آخرت کے سارے مسائل کا حل اس کتاب میں ہے۔ یہ کتاب فقط ایک نظریاتی بحث مباحثہ (Subjctive Discussion) نہیں ہے بلکہ ایک عملی (Objective) چیز ہے۔ دنیا میں کئی فلاسفر اور ریفارمر آئے اور انھوں نے اپنے اپنے نظریات پیش کیے، کتابیں لکھیں لیکن وہ نظریاتی بحث مباحثہ (Subjctive Discussion) ہی کی حد تک رہیں اور عملی طور پر چالو اور نافذ ہو کر اپنے اثرات نہ دکھا سکیں۔ یا ان کے اثرات وجود میں آئے لیکن تجربے سے انسانوں کے لیے ناقابل عمل ثابت ہو کر جلد ہی نیست و نابود ہو گئیں۔ مثلاً افلاطون نے ایک مثالی جمہوری ریاستکا فلسفہ پیش کیا لیکن وہ جمہوری فلاحی ریاست کبھی وجود میں نہ آسکی۔ کارل مارکس نے (Das-Kapital) کی شکل میں کمیونزم کا فلسفہ پیش کیا، لینن نے بے پناہ کشت و خون کر کے اس کو عملی شکل دی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے مختصر عرصے میں ناقابل عمل ہونے کی وجہ سے دھڑام سے گر کر اپنی موت آپ مر گیا۔

بفضلہٖ تعالیٰ قرآنِ پاک نازل ہوا، اس کی تعلیمات کو لینے کے لیے نفس کی کئی لذیذ خواہشات کو چھوڑنا پڑ رہا تھا اور اس کو چلانا جان جوکھوں کا کام تھا۔ لیکن وہ چلا، نافذ ہوا، اس کی تعلیمات کے مطابق فرشتہ صفت شخصیات وجود میں آئیں ایک فلاحی ریاست بنی اور مثالی معاشرہ قائم ہوا۔ یہ سب کچھ صدیوں تک قائم رہا اور آج تک کسی نہ کسی حال میں موجود ہے۔ یہاں تک کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے پہلے چیف جسٹس کارنیلیس عیسائی کو اپنی پینسٹھ سالہ عدالتی عمر پورا کرنے کے بعد اپنے تجربہ کے خلاصہ کے طور پر یہ کہنا پڑا کہ اگر آج بھی قرآن کا قانون نافذ ہو جائے تو دنیا کے

مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

اس قرآن کے ایک عام معمولی عربی دان، اپنی ذاتی کاوش والے طالبعلم کے طور پر مطالعہ کرتے ہوئے جن تجربات، احساسات اور مشکلات سے گزرہوا اور اس کے بعد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بحثوں کی روشنی میں اسلوب قرآنی کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں بندہ آج آپ کے ساتھ شیئر کر رہا ہے۔

سب سے پہلی بات جو بندہ کے سامنے آئی وہ یہ تھی کے آیات میں ربط کا سمجھنا مشکل تھا، بلکہ کلام ظاہراً نعوذ باللہ بے ربط معلوم ہوتا تھا، دل یہ چاہتا تھا کہ اعمال، قوانین اور احکامات کے بارے میں جدا جدا ابواب (Chapters) اور سرخیاں (Headings) ہوتیں تو کیا ہی آسان بات ہوتی۔ کوشش، غور، مطالعہ اور مشاہدہ سے یہ بات سامنے آئی کہ اگر کائنات میں ہم آسمان اور ستاروں کو دیکھیں تو ستارے جیومیٹری کی تکون، مربع، چوکور، مستطیل اور دائروں کی ترتیب میں بالکل نہیں ہیں بلکہ محض بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی انتہائی حسین دکھائی دیتے ہیں۔ بے ترتیب بہتے دریا، زمین کے بے ترتیب پہاڑ اور وادیاں کتنی خوشنما ہیں۔ بہتے دریاؤں کی آوازیں، چہکتے پرندوں کے نغمے، موسیقی کے اصولوں کے ربط و ترتیب کے بغیر کتنے خوش کن ہیں۔ بے ترتیب پڑے ہوئے سرسبز لہلہاتے کھیت کتنا حسین نظارہ پیش کرتے ہیں۔ اردو، فارسی، عربی شعراء کے دیوان جن کی ہر غزل جداگانہ ترتیب پر اور ہر شعر جداگانہ مضمون لیے ہوئے ہے لیکن پھر بھی کتنا اس سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ واقعی قدرتی حسن و جمال تو ساری کائنات میں بغیر ترتیب اور ربط کے ہی پھیلا ہوا ہے۔

مزید یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن صرف یک پہلو کتاب نہیں ہے کہ اگر وہ فزکس پر بحث کر رہی ہے تو کیمسٹری کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اگر اناٹومی بیان کر رہی ہے تو فزیالوجی کے ساتھ اس کا کوئی رابطہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہمہ پہلو کتاب ہے، یہ بیک وقت مسلمان کا آئین ہے، مسلمان کا قانون ہے، شخصیت کی اصلاح پر بحث کرتی ہے، معاشرے کی اصلاح و سدھار کو زیر بحث لاتی ہے، جنگ و صلح کے اصول بتاتی ہے، داخلہ و خارجہ پالیسی بیان کرتی ہے، معیشت کے اصول بتاتی ہے، ازدواجی تعلقات اور نکاح و طلاق کے بارے میں احکامات دیتی ہے۔ یہ کتاب آئین کی طرح

صرف آئین کی شقوں (Articles) کی شکل میں نہیں ہے، قانون کی کتاب کی طرح جرم، اس کی قانونی دفعہ اور اس پر مقرر کردہ سزا کی صورت میں نہیں ہے، مختلف چیزوں کے احکامات کی ایک فہرست انسان کو دے دی جائے اس طرح بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاحی اور تربیتی نظام کی حامل کتاب ہے جو انتہائی حکمت والا، دانشوروں کا دانشور، انتہائی مہربان اور ایسا مشفق کہ شفیق ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے لہٰذا اس کتاب کا ایک خاص اسلوب اور Pattren ہے۔

اس کتاب میں سب سے پہلے ماننے والوں کو ایسی بنیاد اور ایسا سامان مہیا کرنا ہے جو انھیں اس پر عمل کرنے کا شوق اور جذبہ عطا کرے اور اس کے چھوٹ جانے سے انھیں نقصانات کا خوف دامنگیر ہو جائے۔ یہ بنیاد بصورت عقیدۂ توحید، رسالت اور عقیدۂ آخرت کے دی گئی ہے۔ عقیدۂ توحید میں اللہ تعالیٰ کی ذات ذوالجلال، صاحب حسن و جمال، سخی جواد اور مالک عطا و نوال اور متصف بجملہ فضل و کمال کا تعارف کرایا گیا ہے، جس کی قدرت و کبریائی کے سامنے سارے انسان عاجز و محتاج ہیں، اس کو راضی کرنے کا طریقہ زر، زور کی صورت میں ہے ہی نہیں بلکہ اس کو راضی کرنے کا طریقہ اس کی رضا اور خوشنودی والے اعمال کو اپنانا ہے۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور وحدہ لاشرک ہونے، اس کا سارے کمالات کا مالک ہونے اور ایسا قادر کہ **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ** جو چاہے کرے، **اِذَا اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** O (جب کسی چیز کا ارادہ کرے تو اسے فقط اتنا کہہ دے کہ **كُنْ** (ہو جا) سو وہ ہو جائے۔ اس مضمون کو سمجھانے کے لیے آیات آفاقی اور آیات انفسی میں بحث ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (حم السجدہ:۵۳)

ترجمہ: ہم عنقریب انکو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھا دیں گے۔ اور خود ان کی ذات میں بھی اور یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔

قرآن کی آیات میں آفاقی کائنات میں پھیلے ہوئے مظاہر قدرت، زمین آسمان، ستارے سیارے اور کہکشاں، ہوا بادل برق و باران، جمادات نباتات اور حیوانات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ

مثالیں اتنی عام فہم اور سادہ ہیں کہ ایک عام دیہاتی آدمی معمولی سوچ اور فکر کرنے سے سمجھ سکتا ہے اور ان مثالوں پر اہل علم واہل سائنس اپنے رخ پر غور کریں تو کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ پہاڑوں کے بارے میں کہا گیا

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا
وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ (فاطر:۲۷)

ترجمہ: اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں (بعضے) سفید اور (بعضے) سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور (بعضے نہ سفید نہ سرخ بلکہ) بہت گہرے سیاہ۔

بظاہر اس میں پہاڑوں کے مختلف رنگوں کا تذکرہ ہے جسے عام دیہاتی آدمی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کے طور پر سمجھے، لیکن اسی پر جب جدید جیالوجی والوں نے غور کیا تو بتایا کہ ان رنگوں کا چٹانوں کی ساخت اور معدنیات سے خاص تعلق ہے۔ غالباً قرآن مجید نے بارش کے بارے میں انسانی تاریخ میں پہلی بار اس بات کا انکشاف کیا کہ ہوائیں سمندر پر جا کر بخارات سے لد جاتی ہیں پھر انھیں خشک زمینوں کی طرف ہانکا جاتا ہے جہاں پر بارش اور برف کی شکل میں برسا کر زندگی کے لیے پانی کا مستقل بندبست کیا جاتا ہے

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ج وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝ (الحجر:۲۲)

ترجمہ: اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو کہ بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اتنا پانی جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے۔

وَاللّٰهُ الَّذِىْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ (فاطر: ۹)

ترجمہ: اور اللہ ایسا قادر ہے جو بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے اور پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور پھر ہم اس بادل کو خشک قطعہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے پانی کے ذریعے سے زمین کو زندہ کرتے ہیں، اس طرح قیامت میں آدمیوں کا جی اٹھنا ہے۔

سورۂ یٰس کی ایک آیت ہے

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ط (یٰسٓ : ۳۸)

ترجمہ: اور (ایک نشانی) آفتاب (ہے کہ وہ) اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔

یہ ایک عامی آدمی کے مشاہدہ کی چیز ہے، سائنس کا ۱۹۱۷ء تک یہ نظریہ تھا کہ سورج ساکن ہے، چنانچہ اہل سائنس اس آیت پر اعتراض کرتے تھے، کچھ اہل علم سائنس کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے یہ بات کہہ رہے تھے کہ اس آیت کی تفسیر میں اجتہاد ہونا چاہئے۔ لیکن پختہ کار علماء اس بات سے چمٹے ہوئے تھے کہ سائنسی نظریہ ضرور بدلے گا جبکہ قرآن ایک پکی ٹھکی اور اٹل حقیقت ہے، اس نے اپنی جگہ سے ہٹنا ٹلنا نہیں ہے۔ الحمدللہ ۱۹۱۷ء میں جب شیلے کا نظریہ سامنے آیا کہ سورج ایک سو پچاس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے پورے نظام شمسی کے ساتھ اپنی گلیکسی میں کسی نامعلوم منزل کی طرف جارہا ہے، تو اس سے پرانا سائنسی نظریہ رد ہو گیا۔

آیات انفسی میں خاص طور سے انسان کی ساخت اور ایمبر یالوجی پر بحث ہے،

ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ o (المؤمنون: ۱۴)

ترجمہ: پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنادیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا، سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

عام انسان کے لیے یہ ایک عام فہم اور سادہ سی مثال ہے لیکن جب اس موضوع پر سعودی عرب میں تحقیق کروائی گئی تو Kethmoor وغیرہ حیران اور ہکے بکے رہ گئے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے ایسے حقائق بیان ہوئے ہوئے ہیں کہ آج کی جدید تحقیق ان کا رد نہیں کرسکتی۔ یہ قرآنی مثالوں کا کمال ہے کہ عام دیہاتی سے لیکر دانشور تک سب کے لیے پرکشش اور Appealing ہیں۔

ان بحثوں کے بعد ہر سمجھدار انسان اللہ تعالیٰ کے واحد و لاشریک ہونے، صفاتِ قدرت،

نفع وضرر کے مالک ہونے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اس کے آگے عاجز ومحتاج ہونے کی وجہ سے اس کی ماننا اور اس کے ساتھ ربط بڑھانا اس کی نفسیاتی ضرورت بن جاتا ہے۔

قرآن کا ایک موضوع شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''الفوز الکبیر فی اصول تفسیر'' کے مطابق تذکیر بآلاء اللہ ہے

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ O (اعراف:۷۴)

ترجمہ: سو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔

اس مضمون کے تحت اللہ تعالیٰ کا مشفق ومہربان ہونا، انسان کی پرورش اور تربیت کے ساتھ متعلق نظام کی ساری مادی وروحانی چیزوں کو وجود میں لانا جس میں کھانا پینا، لباس، رہائش، سواری، نکاح شادی، ماں باپ کی محبت جیسے حقائق ہیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی عظمت اور انسان کی عاجزی اور محتاجی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا منبع اور مرجعِ محبت ہونے کا ایسا پتہ دیتی ہے کہ اس کے بعد انسان کے دل میں اس ذات کے ساتھ بے محابا محبت کا جذبہ جنم پاتا ہے جس کے نتیجے میں عاجزی اور محتاجی کے بعد ماننے میں محبت کا جذبہ جنم لیتا ہے۔

اس کے بعد عقیدۂ رسالت ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خاص طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف اس طور سے کروایا گیا ہے اور ان کی چالیس سالہ نبوت سے پہلی زندگی اور تئیس سالہ نبوت کے بعد کی زندگی کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ہر سمجھدار انسان اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان سے زیادہ انسانیت کا خیر خواہ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ O (التوبہ:۱۲۸،۱۲۹)

(اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے، بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ ﷺ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) کہ میرے لیے (تو) اللہ

تعالیٰ (حافظ و ناصر) کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کرلیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔

اس میں عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ یعنی امت کی تکالیف سے آپؐ کا تکلیف اُٹھانا اور حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ یعنی امت کو خیر پہنچنے کا بہت زیادہ جذبہ یہ دو باتیں تو آپؐ کی مسلمانوں بلکہ ان کفار کے بارے میں بھی ہیں جو آپؐ کو سخت تکلیفیں دینے کے لیے دن رات مصروف رہتے تھے۔اور مؤمنین کے لیے تو مزید دو اعزاز ہیں کہ رَؤُفٌ (انتہائی نرم) رَحِیْمٌ (انتہائی مہربان) ہیں۔جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تصویر مصورِ کائنات ذوالجلال ولاکرام نے کھینچی ہے کہ بیساختہ انسان کہہ اٹھتا ہے۔

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں
کیا تصویر بنائی مرے بہلانے کو

چنانچہ رسالت کا تصور مؤمن کے پاس صرف معیاری نمونہ کی شکل میں نہیں ہے بلکہ انتہائی محبت اور چاہت کی شکل میں ہے، جس کے بارے میں اقبال نے کہا۔

در دلِ مؤمن مقام مصطفی است
آبروئے ما زنام مصطفی است

ترجمہ: مؤمن کے دل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اور ہماری آبرو اور عزت نامِ مصطفیٰ سے ہے۔

تیسری بات عقیدۂ آخرت ہے۔ عقیدۂ آخرت انسان کے اندر تین نفسیاتی اداروں (Faculties) کو اپیل (Appeal) کر رہا ہے۔ یہ ادارے شوق، خوف اور جوابدہی (Accountability) ہیں۔انسان یا شوق کے تحت کام کیا کرتا ہے، یا خوف کے تحت صحیح استعمال ہوتا ہے اور اپنے آپ کو معیاری تب رکھتا ہے جب اس کو احساس ہو کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کا جواب دینا ہے۔ چنانچہ اعمال پر دنیا و آخرت کی کامیابیوں کو بیان کیا گیا ہے، آخرت میں جنت کی رعنائیاں خوشنمائیاں، وہاں کے باغ و راغ کا تذکرہ بڑھیا لباس، اعلیٰ غذائیں، روح پرور نظارے اور ہوائیں لافانی حسن و جمال اور وہ بھی قرآن مجید کی ترنم سے لبریز آیات میں جس سے شوق کا ایک

سماں پیدا ہوجاتا ہے۔جہنم کا تذکرہ، وہاں کی ہولنا کیاں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں رہنا، کھانے کے لیے حلق میں اٹکنے والا زقوم، پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی، اس طرح کے خوفناک مناظر اور پھر قرآن پاک کے بجے تلے الفاظ اور نشتر کی طرح دل میں گھسنے والے جملے انسان کے اعصاب پر لرزہ طاری کر دیتے ہیں۔اگر انسان قرآنی درسوں اور تذکیر و تبلیغ کی اصلاحی مجالس میں دل لگا کر بیٹھے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ شوق و خوف اسے نصیب نہ ہو۔

آخرت میں اللہ کے حضور اس حال میں کھڑا ہونا کہ نہ کوئی درمیان میں پردہ ہو نہ کوئی سفارشی ہو نہ رشوت چل سکتی ہو اور عالم الغیب کے سامنے کسی عیب کو چھپایا نہ جا سکتا ہو یہ چیز ایسا منظر پیش کرتی ہے کہ انسان اے۔سی۔آر رپورٹ اور سی۔آئی۔ڈی رپورٹوں کے خطرات سے زیادہ محتاط ہو جاتا ہے۔

اس شوق و خوف اور جوابدہی کو قرآن نے ایک حسین امتزاج کے ساتھ بیان کیا ہے۔جہنم کا تذکرہ خوف دلانے کے لیے کیا ہے تو اتنا ہی کیا ہے کہ جس سے خوف اس حد تک طاری ہو کہ انسان کو گناہ سے روک دے اور نیکی پر تیار کر لے اور خوف اتنا نہ بڑھے کہ جس سے تعطل اور ڈپریشن (Depression) طاری ہو جائے۔چنانچہ جہنم کے ساتھ فوراً جنت کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ اسلوب اور Pattern آپ پورے قرآن مجید میں پائیں گے۔

جیسا کہ بندہ نے عرض کیا کہ یہ نہایت مشفقانہ، مربیانہ اور محبت والا کلام ہے اس لیے احکامات کو محض حکومتی آرڈر کی طرح نہیں دیا گیا ہے۔پہلے قرآن مجید حکم کا تعارف کراتا ہے، اس کے فوائد اور فضائل بیان کرتا ہے اور پھر اس کے حاصل کرنے کا آسان طریقہ بتاتا ہے۔جیسے مشفق والدین سمجھانے کے لیے اہم بات کو بار بار کہتے ہیں ایسے ہی قرآن مجید بھی بار بار تکرار (Repetetion) کرتا ہے۔اس کی چند مثالیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ O (الحشر: ۱۸)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے۔اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر

ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے خوف کو حاصل کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس کے حاصل کرنے کے لیے دو اعمال بتائے گئے ایک یہ کہ ہر کوئی سوچ کہ اس نے آخرت کے لیے آگے کیا بھیجا ہے، دوسرے یہ کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔فرمایا گیا کہ جو آدمی اللہ کو بھول جاتا ہے اس کی ایسی عقل ماری جاتی ہے کہ اپنے نفع نقصان کو بھول جاتا ہے اور ایسی حرکتوں میں مبتلاء ہو جاتا ہے کہ خود اپنے پیر پر کلہاڑا مار کر نقصان میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔ یہ تین مراقبے ہیں جن کی مشق کرا کے صوفیاء باطن پر ان کا دھیان طاری کر دیتے ہیں۔ دوسری آیت

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی O وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی O

ترجمہ: ''بامراد ہوا وہ شخص جو (قرآن سن کر خبائث عقائد و اخلاق سے) پاک ہو گیا۔ اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔''

اس میں تزکیہ یعنی باطن کا کبر، بغض، لالچ، حرص، کینہ اور ریا سے پاک کرنے کا تذکرہ ہے۔تزکیہ سے پہلے بتایا کہ اس پر فلاح یعنی ایسی کامیابی جس کے بعد ناکامی کا تصور بھی نہ ہو حاصل ہوتی ہے۔اس کے حاصل کرنے میں کثرتِ ذکر، فرض نمازوں کو پورا کرنے کے بعد کثرت سے نفل نمازیں اور یہ دھیان کہ دنیا چند روزہ اور عارضی ہے اور آخرت دائمی اور ابدی ہے مددگار ہوتے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًاط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ O (القصص:۸۳)

ترجمہ: یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔

اس میں آخرت کی نعمت ان لوگوں کو دینے کا تذکرہ ہے جو زمین میں بڑا بننا نہیں چاہتے اور فساد نہیں چاہتے۔ یہاں بڑا بننا اور فساد دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فساد جہاں بھی ہوگا اس کے پیچھے کسی نہ کسی کا بڑا بننے کا جذبہ ''کبر'' کام کر رہا ہوگا۔ لہٰذا فساد سے نجات شخصیت سے کبر دور کرنے پر حاصل ہوگی۔

اس مشفقانہ تربیتی نظام والی کتاب کا ایک عجیب اسلوب اور Pattern یہ ہے کہ کہ اس کی تدریجی ترتیب ہے چنانچہ شروع دور میں ایمان و آخرت کا تذکرہ ہوتا رہا جب کچھ جذبہ بنا تو نماز فرض ہوئی اس طرح جوں جوں ایمان بڑھتا گیا احکامات آسان سے مشکل ہوتے گئے ۔شراب کا چھوڑنا مشکل کام تھا اس کو تین درجوں میں بیان کیا گیا۔پہلی آیت نازل ہوئی

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْھِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَفْعِھِمَاط (البقرۃ:۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں ۔آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں اور (وہ) گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

آپ سے شراب اور جوئے کا پوچھتے ہیں۔آپ فرما دیں کہ اس میں بہت زیادہ گناہ ہے اور انسانوں کے کچھ فوائد بھی ہیں۔لیکن گناہ منافع سے زیادہ ہیں اس طرح اس عمل سے نفرت دلا دی گئی۔کچھ عرصہ بعد دوسری آیت

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء:۴۳)

<u>ترجمہ:</u> اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

نازل ہوئی جس میں نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔آخر میں تیسری آیت

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ O (المائدۃ:۹۰)

اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو۔

نازل ہوگئی جس میں بتایا گیا کہ شراب جوا اور پانسے گندے اعمال ہیں ان سے مکمل رک جاؤ۔پہلی دو آیتیں اگر چہ منسوخ ہیں لیکن ان کی تلاوت باقی ہے۔اب بھی اس حکم پر عمل کے دو پہلو

ہیں مربی اور مصلح جو انسانوں اور معاشرے کی اصلاح کر رہا ہے اس کے لیے اب بھی یہ ہے کہ مرید سے ان برائیوں کو بتدریج (آہستہ آہستہ) چھڑائے۔ ہر مسلمان جب کسی شراب خور کو دیکھے تو اسے قانون کے حوالہ کرنے کی بجائے سمجھا بجھا کر اور تلقین کر کے توبہ تائب کرے اور اس کی اصلاح کی فکر کرے۔لیکن اگر اسلامی ریاست کی عدالت میں کیس دائر ہو جائے اور گواہوں سے ثابت ہو جائے تو پھر قانون کو فی الفور نافذ کیا جائے۔اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا چوری کا کیس ہے جب چور کا ہاتھ کٹنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روئے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ رو رہے ہیں ۔آپؐ نے فرمایا کہ میرے امتی کا ہاتھ کٹے اور میں روؤں نہیں۔صحابہ نے عرض کیا اگر آپؐ فرما دیتے تو ہم چھوڑ دیتے۔آپؐ نے فرمایا کہ بُرا ہے وہ حاکم جس کے سامنے شرعی فیصلہ آئے اور وہ اس کو نافذ نہ کرے۔تمھیں چاہیئے تھا کہ اسے سمجھا بجھا کر رخصت کر دیتے اور قانون کے سامنے پیش نہ کرتے۔

قرآنی ترتیب میں ایک طرز یہ ہے کہ اس میں گزشتہ قوموں اور پیغمبروں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔حالات و واقعات ایک تو دلچسپی کا سامان ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے اس نظام کے مطابق زندگی گزارنے والوں کی کامیابیوں اور اس کے خلاف کرنے والوں کی ناکامیوں کا تذکرہ آجاتا ہے۔اس طرح ان واقعات اور حالات میں اعمال کے نتائج کو Practically demonstrate کیا جاتا ہے۔اس مضمون کو الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں تذکیر بایّام اللہ کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

گزشتہ ساری بحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلوب قرآنی پر غور کیا جائے تو عقائد ،عبادات، معاملات ،اخلاقیات اور معاشرت کے اصول اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ ان کے دنیوی یا اخروی فوائد کا تذکرہ ہے، جنت کی رعنائیاں اور دوزخ کی ہولنا کیاں زیر بحث لائی گئی ہیں، مضمون کو گزشتہ حالات اور واقعات بیان کر کے دلچسپ اور مؤثر بنایا گیا ہے۔تذکیر بآلاء اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دی گئی ہے اور ان ساری بحثوں کو مختصر رکوع اور سورتوں میں گلدستوں کی شکل میں مربوط اور Arrange کیا ہوا ہے۔جس طرح ایک گلدستے میں سرخ، زرد، جامنی اور کاسنی رنگ کے پھول ہوتے ہیں، ہرے بھرے اور سبز پتے ہوتے ہیں، تر و تازہ شاخ ہوتی ہے، بھینی بھینی خوشبو ہوتی ہے، حفاظت کے لیے کانٹے ہوتے ہیں اس طرح پورا قرآن مجید آیات اور

سورتوں کے گلدستوں کا سجا سجایا گلستان ہے۔اس گلستان میں پھولوں اور رنگوں کا تنوع بھرا گیا ہے اور طرح طرح کی خوشبوؤں کی بکھیر ہے۔اس پر قرآن کے خوبصورت الفاظ اور آیتوں کا ترنم پھر اس باغ و بہار کلام کو نماز کی شکل میں جب اندھیرا چھا جائے اور کائنات پر سکوت طاری ہو تو نماز کی حالت میں سب چیزوں سے کٹ کٹا کر امام کا حُسنِ قرأت اور سریلی لَے کے ساتھ اس کا پڑھنا اور مقتدیوں کا سننا اور رمضان میں تراویح میں پورے کورس ورک کا دہرایا جانا ایک ایسا عمل ہے کہ اگر عربی کا فہم ہوتا اور قرآن کے معانی آتے ہوتے تو یہ چیز معاشرے کی کایا پلٹ دیتی۔ جتنے سامنے بیٹھے ہوئے ہو انگریزی لکھ سکتے ہو، بول سکتے ہو اور سمجھ سکتے ہو کاش ایسا معاملہ عربی اور قرآن مجید کے ساتھ بھی ہوتا تو نقشہ کچھ اور ہوتا۔

آخر میں ربط کے بارے میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔قرآن مجید کی ترتیبِ نزولی جدا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے اسے ترتیب نزولی کے خلاف موجودہ ترتیب سے لکھوایا ہے اور اسی ترتیب سے سورتوں کو آپؐ نماز میں پڑھتے رہے ہیں۔اس لیے اس کی سورتوں اور آیتوں میں یقیناً ربط ہے لیکن جب آدمی اس کو سیکھنے سکھانے کی وادی میں داخل ہوتا ہے اور کچھ عرصہ مشقت اٹھاتا ہے تو پھر اس کے ربط کا انکشاف ہوتا ہے۔مثلاً کتاب کا نام قرآن مجید ہے، کئی ناموں میں سے نمائندہ نام قرآن لیا گیا ہے جس کا معنی ہے پڑھی جانے والی چیز۔انسائکلو پیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہوا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہے۔کتاب کے نام کے بعد فوراً مصنف اور اس کی کوالیفکیشن کی طرف توجہ جاتی ہے۔بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O سے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ O تک کتاب عطا کرنے والی ہستی کا نام اور تعارف ہے۔پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتاب کا موضوع کیا ہے؟ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ O سے کتاب کے موضوع یعنی ھدایت کے بارے میں بحث ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ ھدایت کیا ہے؟ ...... اس کے بارے میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں بتایا گیا کہ ھدایت انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے گویا ھدایت کے نمائندوں کی نشاندہی ہوگئی۔اور سورۂ بقرہ میں ذٰلِکَ الْکِتٰبُ کہہ کر ھدایت کے مضمون کی ریکارڈ شدہ شکل کتاب کا تذکرہ ہو گیا۔آگے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ھدایت کس مقصد کے لیے ہے۔ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ سے لیکر مُفْلِحُوْنَ تک اس بات کا تذکرہ آ گیا کہ ھدایت متقی اور پرہیز گار لوگ

پیدا کرنے کے لیے ہے۔آگے بتایا گیا کہ انسان جب ردعمل کریں گے تو متقی مفلحون کے ساتھ کفار اور منافقین کے گروہ بھی وجود میں آجائیں گے۔کفار اور منافقین کی مثالیں اور پیدائش آدمؑ کے تذکرے کے بعد کفر اور منافقت کے نمائندہ گروہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ سورۂ بقرہ کا طویل مناظرہ ہے۔اس مناظرے سے فارغ ہو کر احکامات بیان کیے گئے ہیں۔سورۂ بقرہ کے آخری حصے میں جہاد کا علامتی تذکرہ ہو گیا ہے جس میں اس بات کا بھی اشارہ ہو گیا ہے کہ باطل آرام سے بیٹھنے نہیں دے گا بلکہ مسلح ٹکراؤ کرے گا، چنانچہ سورۂ ال عمران بدر و احد پر بحث کر کے اس مسلح جد و جہد کا پتہ دیتی ہے۔ غرضیکہ اس طرح یہ کلام از اوّل تا آخر ایک عجیب ربط لیے ہوئے ہے۔

☆☆☆☆☆

اہل سنت والجماعت (قسط نمبر:)

بہت سے فرق اسلامیہ سے بڑی مسامحت یہ ہوئی کہ عقل اور فلسفہ نے جس امر کے متعلق بھی کوئی جواب چاہا اُنہوں نے اپنے ناخنِ تدبیر سے اس کو حل کیا، اور نفیاً یا اثباتاً اس کو داخل مذہب کرلیا۔ یہاں تک کہ خالص فلسفیانہ مسائل جن کو مذہب سے ایک ذرّہ تعلق نہیں مثلاً جزء الّذی لایتجزیٰ کی بحث، طغرہ کا مسئلہ، رویت کے اسباب، استطاعت مع الفعل کی بحث وغیرہ اس کو بھی انہوں نے عقائد کی کتابوں میں داخل کرلیا ہے۔ اگر آج ہمارے عقائد کی کتابوں کی چھان بین کی جائے تو نصف سے زیادہ اوراق انہیں مباحث سے بھرے ملیں گے۔

یہ صحیح ہے کہ متکلمین نے عقائدِ صحیحہ پر جو شکوک وشبہات مدعیانِ عقل کی طرف سے عائد ہوئے اُن کے جواب کی خاطر ان مسائل میں بحث کی، اور بعض پہلوؤں کی تصریح پر وہ مجبور ہوئے اور اس طرح علم کلام کا یہ سارا دفتر وجود میں آیا۔ اور اس لیے بھی یہ بحثیں کیں کہ فرقِ ضالہ کے آرائے باطلہ سے مسلمانوں کو بچائیں اور یہ کوششیں اُن کی مشکور ہوئیں، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے سیدھے سادے عقائد میں اُلجھنیں بھی پیدا ہوگئیں۔

الغرض اہل السنۃ نے جو صراطِ مستقیم اختیار کیا وہی درحقیقت اس طوفانِ افکار اور طغیان خیالات کی حالت میں صفینۂ نوح ہوسکتا تھا لیکن دو تین سو برس کے بعد تیسری چوتھی صدی میں جب مسلمانوں میں فلسفہ نے عروج حاصل کرلیا ار ممالک اسلامیہ کے در و دیوار سے اس آواز کی بازگشت آنے لگی، تو خود اہل السنۃ میں سے چند افراد اُٹھے اور قدیم شاہراہ کو چھوڑ کر اُنہوں نے اہل السنۃ اور دیگر فرقوں کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کیا اور عقل ونقل اور فلسفہ وسنت کے درمیان ایک متذبذب صورت کو اپنا مسلک قرار دیا۔ اُنہوں نے یہ سمجھا کہ اس طریقہ سے وہ عقل ونقل اور فلسفہ وشریعت کی تطبیق میں نہ تو معتزلہ کی طرح قرآن وسنت سے دُور پڑ جائیں گے اور نہ ارباب ظواہر کی طرح اہل فلسفہ کے نشانۂ اعتراضات بنیں گے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے یہ مسائل نہ تو اصل قرآن وسنت کے مطابق رہے اور نہ عقل وفلسفہ کے دربار ہی میں وہ رسوخ پاسکے۔

مثلاً ایک طرف تو انہوں نے معتزلہ کے ساتھ ہوکر خدا کے لیے اعضاء کے اطلاق سے انکار کیا اور اُن آیتوں میں جن میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور منہ کا ذکر ہے تاویل کی اور دوسری طرف ظاہریہ کے ساتھ خدا کی رویت کا اقرار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ وہ اہل السنۃ کا ساتھ دے سکے اور نہ اہل فلسفہ کی معیت برقرار رہ سکی۔ اُن کو

بدیہات کا انکار کرنا پڑا کہ رویت کے لیے مرئی کا جسم ہونا، متحیز ہونا، ذی لون ہونا، آنکھ کے سامنے ہونا، اس سے ایک مسافت پر ہونا ضروری نہیں۔ ایک اور مسئلہ میں یعنی مسئلہ جبر وقدر میں اُنہوں نے اسی قسم کا توسط اختیار کیا، ایک طرف تو یہ کہا کہ تمام افعال کا خالق خدا ہے، یہ کہہ کر گویا اپنے کو معتزلہ اور قدریہ سے الگ کیا، دوسری طرف انسان کے لیے کسب ثابت کیا کہ جبر نہ لازم آئے، لیکن جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہ کسب فعل کے وجود میں مؤثر بھی ہے؟ تو جواب نفی میں دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جبر سے قریب ہوگئے جیسا کہ ہر صاحبِ نظر کو تفسیر کبیر میں امام رازیؒ کا انداز نظر آتا ہے۔

جس طرح اسلام میں بہت سے ایسے فرقے ہیں جو درحقیقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں، اسی طرح بہت سے ایسے فرقے بھی ہیں جو خود کو اہل السنۃ کہتے ہیں لیکن حقیقتہً وہ ان میں سے نہیں ہیں، سبب یہ ہے کہ قدمائے اہل السنۃ نے جو اُصول قرار دیئے تھے دیگر عقل پرستوں کے اعتراضات سے مرعوب ہوکر متاخرین نے ان میں تبدیلی کردی اور بایں ہمہ وہ اپنے کو اہل السنۃ سمجھتے ہیں، بلکہ لفظ اہل السنۃ کا صحیح مخاطب صرف اپنے ہی کو جانتے ہیں۔

تیسری چوتھی صدی سے اہل السنۃ تین عظیم الشان شاخوں میں منقسم ہیں:

اشاعرہ، حنابلہ، اور ماتریدیہ۔ اشاعرہ .... امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف منسوب ہیں اور امام شافعیؒ کے عقائد کے شارح سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے تمام شوافع اشعری ہیں۔ حنابلہ .... اپنے آپ کو امام احمد بن حنبلؒ کا پیرو کہتے ہیں۔ ماتریدیہ .... امام ابومنصور ماتریدیؒ کے پیرو ہیں، جو بچند واسطہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے اس لئے احناف نے عقائد میں ان کو اپنا امام مانا۔ بہرحال ان بزرگوں کے باب میں جو اقوال ملتے ہیں وہ قدمائے اہل السنۃ اور سلف صالح کے مطابق ہیں، لیکن متاخرین اہل السنۃ سے بڑی مسامحت یہ ہوئی کہ اُن مسائل کے متعلق جن سے شریعت خاموش تھی، اُن کو حوالۂ علمِ الٰہی کرنے کے بجائے اُن کی نسبت دیگر فرقوں کی طرح ادعائی پہلو اختیار کیا اور بہت سے فلسفیانہ مسائل کو جن کو شریعت سے اصلاً تعلق نہ تھا اُن کو داخل عقائد کر دیا۔

ان تصریحات سے واضح ہوگا کہ تارکین سنت اور متاخرین اہل سنت جنہوں نے معتزلہ اور دیگر عقل پرست فرقوں سے مرعوب ہوکر قدمائے اہل سنت کے اُصول میں ترمیم کی اور اپنے مذہب کو قواعد عقلی کے مطابق بنانے کی کوشش کی، نتیجہ کی رُو سے ان دونوں میں بہت ہی کم فرق ہے، اور درحقیقت ان متاخرین کے

اقوال کو سلف صالح اور اہل سنت کے عقائد اور خیالات سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف اس قدر جس قدر وہ کتاب وسنت سے قریب ہیں۔

جب ایک مسئلہ کے متعلق شریعت نے کچھ نہیں بتایا اور نہ اُس کا جاننا اور اس کی اپنی عقل سے تفصیل کرنا مدارِ ایمان ٹھہرایا اور نہ کسی حیثیت سے داعیٔ اسلام نے اپنے مومنین سے اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا، اس کے متعلق آپ کا نفیاً یا اثباتاً کوئی بھی پہلو اختیار کرنا اور اس کو اسلام کا منشیٰ قرار دینا کیا حقیقت رسی ہے؟ کیا اس بارہ میں آپ کا فعل دوسرے فرقوں کے فعل کے مقابلہ میں کچھ زیادہ مستحسن ہوگا؟ اگر ان گرہوں کے کھولنے کیلئے آپ کی عقل رہبر بن سکتی ہے تو آپ آگے بھی بڑھ سکتے ہیں۔ اور نعوذ باللہ پیغمبروں کی آمد و بعثت سے بھی اپنے کو مستغنی بتا سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر تقریباً ایک لاکھ نفوس قدسیہ نے ایمان واسلام کی بیعت کی، لیکن کیا آپ کو وہ دفعات نا معلوم ہیں جن پر اُن کے ایمان اور اسلام کی بنا تھی، کیا آپ کے پیدا کردہ عقائد کلامی میں سے ایک بھی اُن کے سامنے پیش کیا گیا؟ اگر نہیں تو اپنے خود ساختہ اصول کی حیثیت سے نعوذ باللہ آپ ان کو کیا کہیں گے؟ اُن کا ایمان صرف یہ تھا جس کو سورۂ بقرہ کے اول وآخر میں بیان کیا گیا ہے۔

امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون کل امن بالله وملئکته وکتبه ورسله لا نفرق بین احد من رسله (بقرہ آخر)

ترجمہ: پیغمبر جو کچھ اُس پر اُس کے خدا کی طرف سے اُترا اس پر ایمان لایا، اور تمام مومنین، ہر ایک، خدا پر ایمان لایا، اس کے تمام فرشتوں پر، اُس کی تمام کتابوں پر اس کے تمام پیغمبروں پر ہم اُس کے پیغمبروں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔

یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرہ هم یوقنون (بقرہ اول)

ترجمہ: (متقی لوگ) جو کچھ تجھ پر اُترا اور تیرے پہلوں پر اُترا ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن میں خدا نے بتایا ہے کہ کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

جب کوئی شخص قرآن پر ایمان لایا تو اس کے اندر جو کچھ ہے اجمالاً یا تفصیلاً ان سب پر ایمان لایا، خدا کے جو صفات اس میں مذکور ہیں، کتب الٰہی، ملائکہ اور پیغمبروں کے متعلق اُس میں جو کچھ ہے، قیامت، حشر ونشر

، دوزخ و بہشت کی نسبت جو حالات اس میں مذکور ہیں یہ تمام چیزیں اسکے اندر داخل ہوگئیں، چنانچہ قدمائے اہل سنت اور سلف صالح کا اعتقاد یہ تھا کہ اُن میں سے ہر چیز پر ایمان اسی حیثیت سے اور اسی حد تک لانا ضروری ہے جہاں تک قرآن مجید نے اس کا مطالبہ کیا ہے، یا جہاں تک سنتِ صحیح اور متواتر نے ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ متفق طور سے ثابت ہے کہ عقائد کا ثبوت صرف قرآن مجید سے ہوسکتا ہے اور احادیث میں سے صرف اُن حدیثوں سے جو بذریعہ تواتر مروی ہیں۔

☆☆

خط یکے از اجازت یافتگان

کچھ ضروری باتیں عرض کرنی تھیں۔ اب کچھ دنوں سے پریشانی زیادہ ہوگئی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔ دستگیری کا خواہاں ہوں اور ترتیب وار عرض ہے۔

۱۔ جب سے باباجی مدظلہٗ نے بیعت کی اجازت دی تھی قلب پر مطلقاً بوجھ نہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ خیال تھا کہ اس اجازت کی کسی کو اطلاع نہ ہوگی اور میرا جہل چھپا رہے گا۔ یہ بات ہے کہ برکاتِ سلسلہ اسی وقت شروع ہوگئی تھیں۔

۲۔ پھر اچانک آپ نے ٹیلیفون پر کہا کہ تم کو اجازت ہے۔ اس کے ساتھ قلب اور ذات پر بہت بوجھ اور ثقل محسوس ہوا۔

کبھی یہ خیال آتا تھا کہ یہ مسکین جو اصلاحِ کامل کی منزل سے خود نہیں گزرا دوسروں کو کیا تلقین کرے گا اور کیا اصلاح کرے گا۔ اپنی نااہلی بار بار پریشان کرتی رہی۔ پھر اس خیال سے دل کو سکون دیتا رہا کہ شاید خود ہی کچھ عرصہ بعد آپ کو اس ناچیز کے عیوبِ ظاہری و باطنی کا انکشاف ہوجائے گا اور خود ہی اپنے فیصلے سے رجوع کر لیں گے۔ مگر جب رسالہ ''غزالی'' میں آپ نے میرا نام شائع کیا تو پریشانی مزید بڑھ گئی جسکی دو وجوہات تھیں۔

(۱) میں خود تا حال اصلاح کا محتاج ہوں دوسروں کی کیا اصلاح کروں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلسلہ کی رسوائی کا

سبب بنوں اور بزرگوں کا نام بدنام ہو۔

(ب) مجھے طبعی طور پر شہرت وتعارف سے انقباض ہے۔ جب سے رسالہ میں نام آیا ہے جو پیر بھائی مجھے ملتا ہے۔اس کو دیکھ کر ندامت سے عرق عرق ہو جاتا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ سامنے سے بھاگ جاؤں کیونکہ قابلیت تو میرے اندر کچھ ہے نہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی رسوائی کا سبب بنوں ''اللّٰھم احفظنی منہ'' اس خیال سے نیند اڑ جاتی ہے اور پریشانی اور بڑھ جاتی ہے۔

۳۔ اپنی اصلاح سے قطعاً غافل نہیں ہوں اس کا فکر واہتمام ہے۔

۴۔ چونکہ پیر کو سب کچھ بتانا چاہیے اس لیے چند باتیں مزید عرض خدمت ہیں

(ا) ملفوظات تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، تسہیل المواعظ وتربیت السالک سے بے حد فیض محسوس ہوتا ہے۔ تاریخ دعوت وعزیمت کا بھی یہی حال ہے۔

(ب) تین آدمی کراچی میں اور دو یہاں داخل سلسلہ ہوئے ہیں جو سب غرباء ہیں۔ اگر داخل سلسلہ نہ ہوتے تو بدعتیوں کے جال میں پھنس جاتے۔ مجبوراً و بعد ندامت ان کو داخل سلسلہ کیا ہے۔ جس پر تا حال ندامت و افسوس ہے کہ یہ کیا کیا۔ آئندہ ایسی گستاخی نہ کروں گا۔

مگر جب آپ کا حکم یاد آتا ہے یا بابا جی کا حکم یاد آتا ہے یا آنے والے کی عاجزی والتماس پر نظر ہوتی ہے تو مجبوراً ایسا کرتا ہوں۔

یہ خود رائی اور نفس پرستی تو نہیں؟ اسی طرح اپنی عدم اہلیت پر نظر کر کے ندامت ہوتی ہے اور توبہ استغفار کرتا ہوں۔

۵۔ قابل شکر بات یہ ہے کہ عین موقع پر اصلاحِ امور میں ایسی واردات ہوتی ہے کہ جیسے سورج نکل آیا اور تاریکی دور ہوگئی۔ مگر یہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اصلاحی یا حالی مسئلہ درپیش ہو۔ نہ اس کیفیت کو بقا ہے نہ اپنے بس کی بات۔ بالکل ایسے جیسے پلگ بجلی میں لگ جائے اور پھر خود بخود آف ہو جائے۔

۶۔ مسئلہ اختیاری وغیر اختیاری، خیال ووھم، حال، قال، مقاصد، ذرائع زوائد کی سمجھ آپ کی برکت سے واضح ہے اور اس میں ترقی محسوس ہوتی ہے۔ خصوصاً تھانوی فیض سے چاہے وہ ملفوظات ہوں یا فن کی دوسری کتابیں مثلاً تربیتی خطوط وغیرہ۔ اس کو نہ کمال ذاتی سمجھتا ہوں نہ ولایت وبزرگی بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور سلسلہ کا فیض سمجھتا ہوں۔

جواب کا منتظر ہوں تا کہ حزن و پریشانی رفع ہو۔

والسلام

مشتاق احمد بقلم خود

جواب

سلسلہ تو اپنے گرد و پیش میں دینی ماحول قائم کرنے کے لیے چلایا جاتا ہے تا کہ اس ترتیب و تذکیر و تبلیغ سے خود اپنے آپ کو یاد دہانی ہوتی رہے۔ سلسلہ میں آنے والے محسن ہوتے ہیں کہ جو اس ماحول کا ذریعہ بنتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جس بات کی اپنے اندر کمزوری پاتا ہوں اس کے بارے میں وعظ کہنا شروع کر دیتا ہوں تا کہ خود اپنے آپ کو عمل کی توفیق ہو۔ اور جب کسی کی ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوں تو عین اس وقت یوں محسوس کرتا ہوں جیسے جلاد بادشاہ کے بیٹے کو پھانسی دے رہا ہو، اس سے چوہڑے جلاد کی حیثیت نہیں بڑھتی اور شہزادے کی حیثیت نہیں گھٹتی۔

☆☆

قسط نمبر ۴

اگست کے آخری اور ستمبر کے پہلے ہفتے میں مقدونیہ میں آزادی کی تقریبات منائی جاتی ہیں، ۱۸۸۰ء کے لگ بھگ ان علاقوں پر ترکوں کی گرفت کمزور ہوئی تو یہ علاقے ترکوں کی عظیم سلطنت سے نکلنے لگے، بلقان میں سب سے پہلے علم بغاوت بلند کرنے والے سرب تھے، سربوں نے ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ترکوں کے خلاف بغاوت کی، لیکن ترک اُن کو دبانے میں کامیاب ہوتے رہے، آخر میں جب اٹلی، آسٹریا اور برطانیہ نے ترکوں کے خلاف سربوں کا ساتھ دیا، تو پھر ترک ان علاقوں کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے، اور اسی چیز کا بدلہ لینے کے لیے ترکوں نے پہلی جنگِ عظیم میں انگریزوں کے خلاف جرمنوں کا ساتھ دیا۔

بلقان کی ریاستوں میں سب سے آخر یعنی ۱۹۰۳ء میں مقدونیہ کے عوام نے بھی ترکوں سے آزادی حاصل کی، مقدونیہ کے عیسائی پروفیسر ڈرگی ڈوج نوویسکی نے مجھے بتایا کہ دیکھو ہم کتنے امن پسند لوگ تھے۔ جب سب لوگوں نے ترکوں سے آزادی حاصل کی، تو آخیر میں ہم نے بھی ہمت کی، وہ بطور مذاق کے کہا کرتے تھے، کہ

مقدونیہ کے لوگ فطری طور پر جنگ وجدال سے نفرت کرنے والے یعنی بزدل قسم کے ہیں۔اس لیے ہمارے لوگوں نے ترکوں سے اور بعد میں یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ حکومت سے بھی سب سے آخیر میں آزادی حاصل کی۔ جب سب لوگ آزاد ہوئے ،تو ہم نے بھی دوتین ہوائی فائر کیے کہ ہم کو بھی آزادی چاہیے، کہتا تھا کہ دیکھو یار اگر ہم بزدل نہ ہوتے تو ترک ہم پر ۵۰۰ سال حکومت کرتے؟ میں نے اُس سے پوچھا کہ ترکوں کے بارے میں عام لوگوں کا تاثر کیا ہے کہنے لگا کہ شروع کے ترک بڑے اچھے تھے۔لیکن بعد میں انھوں نے ہمارے لوگوں پر بڑے ظلم کیے۔ میں نے اپنے طور پر تاریخ کی کتابوں میں ترکوں کے زوال کے اسباب پر نظر ڈالی۔تو مجھے پتہ چلا کہ پہلے پہل ترکوں کے فوج میں اکثریت مجاہدین کی ہوتی تھی۔جن کو بلقانی ریاستوں میں جانثارین کہا جاتا تھا۔اور یہ لفظ اب بھی اُن کے زبان میں شامل ہے۔ یہ جانثارین جذبۂ جہاد کی بنیاد پر لڑتے تھے،اور علاقے فتح کرنے کے بعد عوام سے ان کا سلوک اسلام کے اصولوں کے مطابق انتہائی اچھا ہوتا۔ یہ جانثارین ترک سلطان کے حکم کی پابندی اُس وقت تک کرتے جب وہ خود شریعت پر چلتا،اگر وہ شریعت کی اصولوں کو توڑتا تو یہ جانثارین اُس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے اور اُسے قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ لہٰذا سلطان ہمیشہ ان سے ڈرتا رہتا،اس لیے بعد کے سلطانوں نے جانثارین کو آہستہ آہستہ فوج سے نکالا اور اُن کی جگہ تنخواہ دار فوجی بھرتی کیئے،ان فوجیوں نے پھر مفتوحہ علاقوں میں لوگوں پر ظلم کیئے جسکی وجہ سے عوام میں نفرت پیدا ہوئی۔

اس کے علاوہ ایک اور عجیب بات جو میرے مشاہدے میں آئی، وہ یہ تھی کہ مقدونیہ میں ترکوں کے خلاف جس شہر میں سب سے پہلے بغاوت ہوئی اُس شہر سے میرا گزر ہوا اور بخلاف دوسرے شہروں کے وہاں پر مجھے کوئی مسلمان اور کوئی مسجد نہ ملی۔ میں نے معلومات کیں تو پتہ چلا کہ ترکوں کے پانچ سو سالہ حکومت کے دوران اس شہر کے لوگوں نے ترکوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ اس شہر میں نہ کسی مسلمان کو آباد کریں گے اور نہ مسجد تعمیر کریں گے۔اور اس کے بدلے میں یہ لوگ ترکوں کو پیسے دیں گے۔یہی وجہ تھی کہ اس شہر کے لوگوں نے سب سے پہلے ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا،اسی شہر میں چار مورچوں والی وہ عمارت بھی ہے جسکو مقدونیہ میں آزادی کی عمارت کہا جاتا ہے۔

ستمبر کا مہینہ مقدونیائی لوگوں کے لیے اس لیے بھی اہم ہے کہ ۸ ستمبر ۱۹۹۱ء کو مقدونیہ ایک ریفرنڈم کے ذریعے یوگوسلاویہ سے علیحدہ ہوا۔ یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ حکومت بنیادی طور پر سربوں کی حکومت تھی۔ جس نے بزور

مقدونیہ، کروشیا اور بوسنیا وغیرہ پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ یوں تو مقدونیہ ۱۹۹۱ء سے ایک آزاد ملک کی حیثیت سے قائم تھا لیکن امریکہ نے اسے تسلیم نہیں کیا تھا، نومبر ۲۰۰۴ء میں جب جونئیر بش دوسرے مرتبہ الیکشن جیت گیا تو اُس نے مقدونیہ کو ایک آزاد مملکت کے طور پر تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ مقدونیہ کے لوگوں نے اُس دن بہت خوشیاں منائیں، مجھے ایک سینئر مقدونیائی پروفیسر صاحب نے کہا کہ آج تک ہمیں ڈر تھا کہ کہیں امریکہ کوئی سازش کر کے ہمیں ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دے۔ لیکن آج ہمیں یقین ہو گیا کہ مقدونیہ کا وجود بطور آزاد مملکت برقرار رہے گا۔ اس بات سے دنیا میں امریکہ کی سازشوں کے بارے میں اندزاہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

مشرقی یورپ میں مقدونیہ کی شہرت ایک بہت بڑی جھیل کی وجہ سے ہے جس کا نام (Ohrid Lake) یعنی جھیل اوہرڈ ہے۔ جھیل کے پانی کا رنگ گہرا نیلا ہے، دن کو اس میں بڑی بڑی کشتیاں چلتی ہیں اور رات کو خاص طور پر چاندنی رات میں موجوں میں بالکل ایسے ہی تیزی ہوتی ہے جیسے کہ سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔ جھیل کے کنارے پر کھڑے ہو کر ایسا لگتا ہے گویا کہ سمندر کا ایک ٹکڑا اُٹھا کر یہاں رکھ دیا گیا ہو۔ جھیل کا منبع ایسے ہزاروں چشموں پر مشتمل ہے جو قریب کے پہاڑوں سے ہوتے ہوئے جھیل میں گرتے ہیں گرمی میں ایشیا، یورپ اور امریکہ کے ہزاروں سیاح اِدھر کا رخ کرتے ہیں اور قدرت کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہم نے بھی جھیل میں کشتی کی سیر کی۔ ملاح نے جب مجھے دیکھا تو پوچھا کہ آپ کہاں سے ہیں، میں نے کہا پاکستان سے۔ تو پھر پوچھا کہ پٹھان ہو میں نے کہا، ہاں۔ تو کہنے لگا میرے رجسٹر میں سیاحوں نے اپنی اپنی زبان میں اپنے تأثرات تحریر کیئے ہیں۔ اور آپ یوں نہ سمجھنا کہ آپ پہلے آدمی ہیں کہ آپ پشتو میں کچھ لکھیں گے۔ آپ سے پہلے ایک پشتون اور بھی آیا تھا۔ آپ میرا رجسٹر دیکھ لیں۔ اُس نے پشتو میں ضرور لکھا ہوگا۔ پھر مذاق میں کہنے لگا کہ جس جگہ آپ بیٹھے ہیں یہاں امریکہ کا صدر بیٹھا تھا۔ اسلیے آپ ڈبل کرایہ دیں گے۔ دوران سیر بڑے دلچسپ واقعات سناتا رہا۔ جھیل کی گہرائی بتاتے ہوئے ایک جگہ پر کہنے لگا کہ اس جگہ جھیل کی گہرائی بہت زیادہ ہے لیکن میں یہ بات اُس وقت قطعاً نہیں کرتا جب میری کشتی میں ساس اور اس کی بہو دونوں سوار ہوں، کیونکہ دو دفعہ ایسے ہوا ہے کہ بہو نے ساس پر حملہ کر کے یہاں ڈبونے کی کوشش کی ہے۔

مقدونیہ کی اسی جھیل کی وجہ سے مقدونیہ کو بلقان کا موتی بھی کہا جاتا ہے۔

مقدونیہ میں دوسری مشہور چیز قدیم گرجے ہیں، خیال کیا جاتا ہے کہ یورپ میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے کے لیے جو پادری شام سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ اُنھوں نے مقدونیہ کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ ان میں بہت مشہور دو

بھائی ''سیرل'' اور ''میتھوڈلیس'' تھے۔ اوران کے دوشاگرد ''ناووم'' اور ''کلیمنٹ'' تھے۔ جنھوں نے یورپ میں عیسائیت کے پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ''سیرل'' اور ''میتھوڈلیس'' کے بلند قامت مجسمے اکثر جگہوں پر نظر آتے ہیں۔ ہم جس یونیورسٹی میں ٹریننگ کر رہے تھے اُس کا نام بھی ان صاحبان کی نام پر تھا۔ اندازہ لگائیں کہ ہم نے اپنی کتنی یونیورسٹیوں کے نام اپنے مذہبی رہنماؤں کے نام پر رکھے ہیں۔

گرجے دیکھنے کے دوران کئی دلچسپ واقعات پیش آئے، ایک جگہ پر غالباً سینٹ ناووم کے گرجے پر موجود پادری نے مجھے بڑی محبت سے اپنے پاس بلایا اور رازداری سے کہنے لگا کہ آئیں میں آپ کو ''سینٹ ناووم'' کا تیار کردہ ایک خاص مشروب پلاتا ہوں۔ جب گلاس بھر کے دے دیا۔ تو اُس سے مجھے الکحل کی بو آئی۔ میں نے کہا یہ تو شراب ہے، کہنے لگا۔ ہاں لیکن یہ ''سینٹ ناووم'' کا اپنے ہاتھ سے تیار کردہ فارمولا ہے اس میں بیماریوں کی شفا ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں نے کہا، آپ کو پتہ نہیں ہم شراب نہیں پیتے۔ اُس نے کہا آپ کی مرضی ہے۔ میرے ساتھ موجود ہندوستان کے ہندو ساتھی وکرم نے کہا مجھے دے دیں میں پی لوں گا۔ لیکن پادری نے اُسے دینے سے انکار کیا، وہاں پر موجود البانوی مسلمان انجینئر نے مجھے کہا کہ یہ ایک خاص قسم کا شراب ہے، جسکو یہاں راکھی کہتے ہیں۔ اس جگہ یہ بھی مشہور تھا کہ سینٹ ناووم کے قبر سے اب بھی اُسکے دل کی آواز آتی ہے۔ سارے لوگوں نے جھک کر قبر پر کان لگا کر سننے کی کوشش کی، کوئی ہاں میں اور کوئی ناں میں جواب دیتا رہا، میں نے بھی سننے کی کوشش کی، آواز تو مجھے کچھ نہیں آئی، لیکن میں نے مذاقاً اپنے پاس کھڑے ایک پروفیسر سے کہا، کہ کہیں نیچے ٹائم پیس تو نہیں رکھا ہے۔ اس پر پادری تو ہنسنے لگا، لیکن ایک دوسرا عیسائی پروفیسر کافی خفا ہوا، اور یونیورسٹی میں کافی عرصے تک میرے ساتھ قطع تعلق کئے رکھا، میں نے پادری سے بھی پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے تو کہنے لگا کہ مجھے تو کبھی آواز نہیں آئی ہے لیکن لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں آواز آتی ہے۔

ایک دوسرے گرجے پر پادری نے جب اپنا لیکچر ختم کیا تو میں نے اُسے کہا کہ کیا آپ لوگوں میں ایسا کوئی فرقہ ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو محض ایک پیغمبر مانے اور اُسے خدا اور خدا کا بیٹا تصور نہ کرے۔ تو اُس نے کہا کہ نہیں ایسا کوئی نہیں ہے۔ تو پھر میں نے کہا کہ یہ ایک کا تین اور تین کا ایک، اس کا کیا مطلب ہے۔ تو کہنے لگا میرے پاس فضول بحثوں کے لئے وقت نہیں، میں نے پھر پوچھا کہ کیا آپ نے شادی کی ہے؟ تو کہنے لگا کہ نہیں کیونکہ جنسی ملاپ ایک شیطانی کام ہے اور ہم اس سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں، مزید کہنے لگا کہ ہمارے ہاں پادریوں کے درجے ہوتے ہیں سب سے بڑے درجے کا پادری بننے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ جنسی خواہشات

سے اپنے آپ کو دور رکھے، میں نے پوچھا کہ اگر سارے عیسائی آپ کی طرح ہو جائیں، تو آپ خوش ہوں گے کہنے لگا کہ ہاں تو میں نے کہا پھر تو آپ لوگوں کی نسل ہی ختم ہو جائے گی، تو مجھے کہنے لگا کہ ہمارے ہاں عام اور خواص کے لئے الگ الگ دین ہے۔ پادریوں کے لیے شرائط بہت سخت ہیں، میں نے مزید بحث مناسب نہیں سمجھی، لیکن آخر میں نے اُس سے یہ بھی پوچھا کہ آپ اپنے جذبات کو کس طرح قابو کرتے ہیں تو کہنے لگا کہ ہم کسی قسم کا گوشت نہیں کھاتے، بازار کا کھانا بھی نہیں کھاتے، اِدھر اپنے لئے خود ہی سبزیاں اُگاتے ہیں، اور وہی کھاتے ہیں، رات کو اُٹھ کر عبادت کرتے ہیں، میں نے کہا کس کی عبادت کرتے ہیں، اور کیسے کرتے ہو، کہنے لگا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور آنکھیں بند کئے اُسکی رحمت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور اس طرح سے گھنٹوں بیٹھتے ہیں، کہہ رہا تھا کہ ہم طلوع آفتاب سے تین چار گھنٹے پہلے اور اس طرح سے غروب آفتاب سے کچھ گھنٹے پہلے روزانہ ایسی عبادت کرتے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ تمام گرجوں کی تعمیر گول یا مربع شکل کے ایک ہال پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور ہال میں جا بجا عیسیٰ علیہ السلام کی تصاویر لگائی ہوتی ہیں، ہر گرجے میں سامنے کی دیوار کے قریب ایک چھوٹی سی جگہ ہوتی ہے جو باہر سے بالکل بند ہوتی ہے، عورتوں کے لیے اس جگہ میں جانے پر پابندی ہے اور مشہور ہے کہ کوئی عورت اس جگہ کے اندر چلی جائے تو پھر اس کے بچے پیدا نہیں ہوتے۔ ایک گرجے کے اندر جب میں نے یہ جگہ دیکھی تو میں نے خواتین عیسائی پروفیسروں سے کہا کہ دیکھو یہ تو انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور آزادی نسواں کے خلاف ہے، تو ان بے چاریوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ خیر ان ہی میں سے ایک بڑی عمر کی خاتون پروفیسر کو میں نے کہا کہ آپ تو چلی جائیں تو بڑی معصومیت سے کہنے لگی کہ نہ بابا کہیں میرے پیدا ہوئے ہوئے بچے مر نہ جائیں۔ میں پادری سے اجازت لے کر اندر چلا گیا تو اس میں ایک چارپائی اور ایک صندوق پڑا تھا، پادری کہنے لگا کہ میں خاص اوقات میں یہاں عبادت کرتا ہوں اور یہ جگہ ہمارے لئے بہت متبرک ہے۔

ایک دن جب میں Ohrid جھیل کے کنارے ایک ریسٹورنٹ میں کافی پی رہا تھا تو ان عیسائی خواتین پروفیسروں نے مجھ پر دھاوا بول دیا، میرے قریب آکر کہنے لگیں، کہ آج ہم نے اسلام میں عورتوں کے حقوق کے متعلق آپ سے بات کرنی ہے میں نے کہا کریں، تو پہلا سوال اُنھوں نے یہ کیا کہ آپ لوگوں نے عورت کو گھر میں قید کیا ہوا ہوتا ہے اور اُس کو اُسکی مرضی کے بغیر شادی پر مجبور کرتے ہیں، تو میں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی عورتوں کو گھر کی ملکہ بنایا ہوتا ہے وہ گھر کے تھوڑے بہت کام کاج سے فارغ ہو کر آرام سے سوتی ہے۔

صاحب حیثیت لوگ گھر میں نوکر بھی رکھتے ہیں، نوکر کام کرتا ہے اور گھر کی مالکن بچوں کی تربیت کرنے میں اور گھر کا خیال رکھنے میں اپنا وقت گزارتی ہے۔ اور جہاں پابندی کا سوال ہے تو وہ تو یہاں بھی ہے۔ کہنے لگی کس طرح، میں نے کہا اسطرح کہ دیکھو ہم ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مرد مردوں کے ساتھ ہیں اور عورت عورتوں کے ساتھ، تو کیا یہ پابندی نہیں ہے۔ آزادی ہونی چاہیے، جو جس کے ساتھ ٹھہرنا چاہے ٹھہر سکے، کہنے لگی، لیکن یہ تو بڑی بُری بات ہوئی، آخر ہم سب شادی شدہ ہیں میں نے کہا آپ لوگ غیر مردوں کے ساتھ ہاتھ ملاتی ہیں، باتیں کرتی ہیں، یہاں تک کہ ناچتی بھی ہیں، وہ بُری بات نہیں، کہنے لگی نہیں، کیونکہ معاشرے میں اسکو بُرا نہیں سمجھا جاتا، تو پھر میں نے پوچھا کہ کیا پچاس سال پہلے بھی آپ کے معاشرے کا یہ حال تھا، تو کہنے لگیں کہ نہیں، اُس وقت یہ ممکن نہ تھا، کہ کوئی عورت غیر مرد کے ساتھ ڈانس کرے۔ میں نے کہا جسکو آج آپ بُرا سمجھ رہی ہیں ہوسکتا ہے کہ چند سال بعد پھر اسے بھی بُرا نہ سمجھا جائے، کہنے لگیں ہاں یہ تو ممکن ہے۔ پھر میں نے کہا کہ دیکھو تمھاری آزادی کی بھی ایک حد ہے، جسکو تم لوگ بدلتے بھی رہتے ہو، اگر تمھاری آزادی کی ایک حد ہے تو ہماری آزادی کی بھی ایک حد ہے۔ آپ جس چیز کو آج سے سو سال پہلے بُرا سمجھتے تھے اور آج نہیں سمجھتے، یہ اس وجہ سے کہ آپ معاشرے کو دیکھ کر اپنی آزادی کی حد مقرر کرتے ہیں۔ اور ہم نے اپنی حد اپنے مذہب کے مطابق رکھی ہے۔ اس لیے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اور خلاصہ یہ کہ جہاں آپ کو اپنی آزادی پر حد لگانے کا اختیار حاصل ہے وہاں ہمیں بھی ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ آپ لوگ اپنے گرجوں والی خواتین پادریوں (نن) کو کیسی سمجھتی ہیں۔ تو کہنے لگی کہ وہ تو بہت پارسا عورتیں ہوتی ہیں۔ میں نے کہا کہ ہم اپنی سب عورتوں کو ایسا بنانا چاہتے ہیں۔ تو کہنے لگی ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس کے بعد اسلام میں دوسری شادی کی اجازت پر بھی بڑی لمبی چوڑی بحث کی۔ آخیر میں ایک معمر خاتون پروفیسر مس بیتی (Betti) نے کہا کہ دیکھو میں ایک کٹر عیسائی خاندان سے تعلق رکھنے والی عورت ہوں۔ میرے والد گرجے میں پادری تھے۔ گرجے ہی میں اُسکی وفات ہوئی۔ لیکن میں آج سچ بولوں گی۔ دیکھو میری عمر تقریباً ۵۲ سال ہے۔ صحت کافی خراب ہے۔ لیکن مجھے اپنی نوکری کے علاوہ گھر کے کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ اگر عورت سے گھر کا بوجھ ہلکا کر دیا جاتا تو پھر بھی کوئی بات تھی۔ لیکن یہاں تو ہم دُہرے عذاب میں گرفتار ہیں۔ خدا کی قسم اگر مجھے دوبارہ موقع دیا جائے۔ تو میں ایک مالدار آدمی سے شادی کروں اور آرام سے گھر میں وقت گزاروں۔ جو عورتیں نوکری کی شوقین ہیں وہ بے وقوف ہیں۔ کیونکہ عورت کی جسمانی ساخت ہی ایسی ہے کہ وہ زیادہ سخت اور ذہنی دباؤ والا کام نہیں کرسکتی

۔اسکو بنایا ہی گھر کے لئے گیا ہے۔ پھر کہنے لگی۔ کہ میرے شوہر کی عمر بھی ۵۲ سال ہے لیکن اُس کی صحت ٹھیک ٹھاک ہے ابھی تک جوان ہے۔ جب میں بیمار ہوتی ہوں تو وہ گندگی اور خباثت میں مبتلاء ہو جاتا ہے اور ان گندگیوں کے لیے پیسے بھی بزور مجھ سے لیتا ہے۔ اُس وقت میں سوچتی ہوں کہ کاش ہمارے مذہب میں بھی مسلمانوں کی طرح دوسری شادی کی اجازت ہوتی تو میں فوراً اپنے شوہر کی شادی کراتی۔ کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے وہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔

☆☆☆

ظہور الٰہی فاروقی

﴿چوہے کے ذریعے روزی کے انتظام کا عجیب واقعہ﴾

ابوبکر بن خضبہؒ اپنا ایک واقعہ یوں نقل کرتے ہیں کہ میں ایک رات بیٹھا کوئی حدیث لکھ رہا تھا، یہاں تک کہ لکھتے لکھتے آدھی رات ہوگئی، اُن دنوں میں مجھے مالی اعتبار سے کچھ تنگی بھی تھی، اتنے میں ایک موٹا چُوہا اپنے بل سے نکل کر آیا اور گھر میں اِدھر اُدھر گھومنے لگا، تھوڑی دیر بعد ایک اور چوہا بھی اپنے بل سے نکل آیا اور دونوں چُوہے میرے سامنے اُچھلتے کُودتے میرے قریب رکھے ہوئے چراغ کے قریب پہنچ گئے، میرے قریب ایک طشتری (تسلا) رکھی ہوئی تھی، جسے میں نے ایک چُوہے کے اُوپر ڈھک دیا اور وہ بند ہو گیا، دوسرا چُوہا اُس طشتری کے پاس آیا، اُسے سونگھنے لگا، اُسکے گرد چکر لگانے لگا، اور اُسکو ٹکریں مارنے لگا۔ میں خاموشی سے بیٹھا اپنا کام بھی کر رہا تھا اور چوہے کو بھی دیکھ رہا تھا، تھوڑی دیر بعد چُوہا اپنے بل میں گیا اور ایک عمدہ قسم کا دینار (اُس زمانے میں چلنے والا قیمتی سونے کا سکّہ) لاکر میرے سامنے رکھ دیا اور بیٹھ کر مجھے دیکھنے لگا، میں بھی خاموش بیٹھا اپنا کام کرتا رہا، وہ چُوہا واپس گیا اور اپنے بل سے ایک دوسرا دینار لاکر میرے سامنے رکھ کر بیٹھ گیا، میں ٹس سے مَس نہ ہوا اور اپنا کام کرتا رہا اور چُوہے کو بھی نظر میں رکھا۔

اِسی طرح چُوہا آتا اور جاتا رہا یہاں تک کہ اُس نے چار یا پانچ دینار میرے سامنے رکھ دیے اور ہر مرتبہ چُوہا پہلی مرتبہ سے زیادہ دیر تک بیٹھتا تھا، آخر کار چُوہا دیناروں کی ایک تھیلی لے کر میرے قریب آیا اور اُسے ان دیناروں کے اُوپر رکھ دیا۔

میں سمجھ گیا کہ اب چُوہے کے پاس اور دینار نہیں ہیں، لہذا میں نے وہ طشتری اُٹھادی (اور چُوہے کو قید سے آزاد کردیا) وہ دونوں اُچھلتے کُودتے اپنے بِل میں چلے گئے، میں نے وہ دینار اُٹھالئے اور اُنھیں (ضرورت منداور غریب ہونے کی وجہ سے) اپنی ضروریات میں صرف کرتا رہااور وہ دینار بھی اُس زمانے کے دیناروں میں اعلیٰ قسم کے تھے۔ (نفحتہ الیمن عربی ص۶، ۷/ماہنامہ التبلیغ ...اشاعت اپریل 2005ء)

دیکھیئے! اللہ تعالیٰ کس طرح روزی کا غیب سے انتظام فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے چُوہے جیسی مخلوق کو بھی ایک طرح کی عقل وشعور عطا فرمائی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا واضح نمونہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆